

## نظریہ پاکستان — اور

# ہماری دستوری تاریخ

محمد نذیر کا کاخیل

پاکستان مسلمانانِ پاکِ ہند کی عظیم قربانیوں کا ثمر ہے۔ اس کی بنیاد کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر رکھی گئی۔ بالفاظ دیگر دوسرے نو آزاد ممالک کی طرح کسی سیاسی نظریہ پر نہیں بلکہ اسلامی فلسفہ حیات پر اس کی بنیاد رکھی گئی۔ اسلام وہ نظریہ ہے جو مسلمانوں کے ہر شعبہ زندگی میں ان کی ہدایت و رہنمائی کرتا ہے۔ ظاہر ہے جو نظریہ مخصوص حالات اور محدود علاقوں کے لئے نہ ہو بلکہ عالم گیر اصولوں پر مبنی ہو، وہ جامد نہیں ہو سکتا بلکہ ہمیشہ متحرک (DYNAMIC) ہوتا ہے اور بدلتے ہوئے حالات کا پورا پورا ساتھ دیتا ہے۔ یہی خیال اسلام کے بارے میں تحریک پاکستان کے زعماء کا تھا اور ہندوؤں کے روئے کے پیش نظر قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے رفقاء کار نے جب ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا تو مقصود یہی تھا کہ نہ صرف اسلامی اقدار اور ثقافتی ورثے کا تحفظ کیا جائے بلکہ اسلامی اصولوں پر عمل درآمد کر کے دنیا کو دکھایا جاسکے کہ اسلام محض عبادات یا چند اعتقادات کا نام نہیں بلکہ ایک ضابطہ حیات ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ گو ثقافتی ورثے کا تحفظ تمام مسلمانانِ ہند کا مطمح نظر تھا لیکن علامہ اقبالؒ نے اسے مسلمانوں کے سامنے واضح نصب العین کی شکل میں پیش کیا۔ چنانچہ اپنے ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء کے ایک خط بنام قائد اعظم محمد علی جناح میں انہوں نے بڑی وضاحت سے لکھا :-

” ہمیں اس حقیقت کو ہرگز پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے کہ ایشیا میں اسلام کے اخلاقی و سیاسی اقدار کا دار و مدار تمام تر ہندوستان کے مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے۔ آپ کو چاہیے کہ پوری قوت اور قطعی

وضاحت کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی وحدت کا بطور نصب العین اعلان کر دیں... صرف معاشی مسئلہ ہی کوئی واحد مسئلہ نہیں جس سے ہم دوچار ہیں۔ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے ثقافتی مسئلہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

بدے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق اسلامی اقدار و ثقافت کے بچاؤ کی خاطر اور مخصوص فلسفہ حیات کے مطابق جمہوری اقدار کو فروغ دینے کے لئے ایک الگ مملکت کا قیام ناگزیر تھا۔ بیسویں صدی کی ایک اسلامی ریاست، جہاں مسلمان جمہوری نفاذ میں مذہب کی رہنمائی میں آزادی اور سکھ کا سانس لیں گے۔ جہاں مساوات محمدی کے اصولوں کے تحت استحصال سے پاک معاشرہ ہوگا جہاں رنگ و نسل اور زبان کی تفریق کے باعث کسی سے امتیازی سلوک نہیں ہوگا۔ جہاں پھر سے خلافت راشدہ کے زمانے کے زریں اصولوں کو بروئے کار لایا جائے گا۔ ظاہر ہے متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایسی ریاست کا قیام ناممکن تھا۔ چنانچہ مسلمانان ہند کی آرزوں کا مقصد اور قائد اعظم محمد علی جناح کی سیاست کا محور یہ نعرہ رہا :-

”مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ اور اپنی مخصوص صلاحیتوں کے ارتقار کے لئے بالکل الگ اور آزاد فضا چاہتے ہیں۔“

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور کے بعد یہ تحریک جس تیزی کے ساتھ مقبول ہوئی وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانان ہند کے دل کس طرح قیام پاکستان کے لئے دھڑک رہے تھے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا معرض وجود میں آنا بذات خود کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ یہ حصول مقصد کا ذریعہ تھا۔ قائد اعظم کے ارشاد کے مطابق ”خیال یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں۔ جہاں اسلام کے عدل و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے برسر عمل آنے کا موقع حاصل ہو۔“ اور یہ کہ ”ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔“

اس پس منظر کی روشنی میں اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری دستور سازی کی تاریخ میں نظریہ پاکستان (اسلامی اقدار کی ترویج اور جمہوری اصولوں و معاشرتی عدل کی نشوونما) کو کیا مقام دیا گیا یا دیا جانا قرار پایا۔

وہ کون سے اسباب تھے جن کی بنا پر لوگ کچھلے دو دستا تیرے نالائے تھے اور یہ کہ اب ہم کس مقام پر ہیں۔  
 قیام پاکستان کے بعد مملکت کی دستور ساز اسمبلی کے سامنے ایک قابل عمل اسلامی آئین کی تیاری کا  
 کام تھا لیکن اسمبلی کے اندر مختلف الخیال گروہوں کی موجودگی کے باعث آئین سازی کا کام اگر ناممکن نہیں  
 تو مشکل ضرور تھا۔ بانی پاکستان کی بے وقت موت نے مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ وزیر اعظم  
 پاکستان بیات علی خان نے کوششیں جاری رکھیں اور آخر کار ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو اسمبلی نے قرارداد  
 مقاصد پاس کی جس پر پاکستان کے آئندہ دستور کی عمارت کھڑی کرنی تھی۔ بقول رشید الزمان  
 قرارداد مقاصد دراصل دو مساتر فکر کے درمیان مصالحت کی نشاندہی کرتی تھی۔ علماء سے زایتی  
 اسلامی ریاست کی طرف ایک قدم سمجھتے تھے جب کہ اسمبلی کے آزاد خیال ممبران کا خیال تھا کہ قرارداد مقاصد  
 میں جو شقیں اسلام سے متعلق ہیں وہ جمہوریت میں قابل عمل ہیں اور ان کی موجودگی میں مذہب کسی بھی  
 طریقہ سے سیاست پر اثر انداز نہیں ہو سکا۔ ۳

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کے زعماء نے قیام پاکستان سے قبل یہ تو بتایا تھا کہ  
 پاکستان کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی جائے گی اور اسلامی ثقافتی ورثے کا تحفظ کیا جائے گا لیکن  
 اسلامی ریاست کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس پر خاموشی اختیار کی گئی تھی۔ کیوں؟ بقول جی ڈبلیو چوہدری  
 یہ مسئلہ اختلاف و تفریق کا باعث بن سکتا تھا جب کہ حصول پاکستان کے لئے اتحاد کی اشد ضرورت  
 تھی۔ ۴، لیکن ایک بات واضح ہے اور وہ یہ کہ قائدین کے ذہنوں میں بیسویں صدی کی جدید اسلامی  
 ریاست کا خاکہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ اور پاکستان کو جمہوری طرز سے اسلامی ریاست بنانا تھا نہ کہ مذہبی  
 پیشواؤں کی ریاست۔ اس کا ثبوت قائد اعظم محمد علی جناح کے فروری ۱۹۴۸ء کے اس نشریہ سے فراہم کیا  
 جاسکتا ہے جو آپ نے امریکہ کے ٹوام کے نام دیا تھا۔

” پاکستان کا دستور آئین ساز اسمبلی کو بنانا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس دستور

کی آخری شکل کیا ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جمہوری طرز کا آئین ہوگا جس میں

اسلام کے بنیادی اصول شامل ہوں گے۔“ ۵

قرارداد مقاصد کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی نے اپنا کام جاری رکھا لیکن مغرب و مشرق  
 اور مذہب و سیاست کے تعلق کے موضوع نے جہاں سیاست دانوں کو ایک دوسرے سے دور

کر دیا وہاں علماء اور سیاست دانوں کے درمیان بھی وسیع صلح حاصل کر دی۔ فرقہ واریت اور صوبائی عصبیت کی ابتداء اسی دوران ہوئی۔ خود دستور ساز اسمبلی بھی انہی اختلافات و تعصبات کا نشانہ ہو گئی۔ اگرچہ دوسری دستور ساز اسمبلی نے سنجیدگی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا لیکن مرکز میں متحدہ محاذ اور مسلم لیگ کی حکومت تھی جن کے بنیادی مسائل مثلاً مذہب سیاست کے تعلق، مضبوط و کمزور مرکز، مخلوط و جداگانہ انتخابات پر اختلافات تھے چنانچہ دسمبر ۱۹۵۵ء کے اختتام تک کوئی امید نہیں تھی کہ ان اہم اور بنیادی اصولوں پر سمجھوتہ ہو جائے گا۔ "ان اندرونی اختلافات کے نتیجے کے طور پر جو دستور بالآخر پاس کیا گیا وہ بہت کمزور تھا اور اصولوں پر سمجھوتہ کرنے کی بجائے مصلحتوں کی پیداوار تھا۔"

۱۹۵۶ء کا آئین اگرچہ جمہوری تھا لیکن اس کی روح پر نہ تو عمل درآمد کیا گیا اور نہ ہی اسے عوام کی تائید حاصل ہو سکی کیونکہ دستور ساز اسمبلی کا انتخاب براہ راست نہیں ہوا تھا۔ جمہوریت کا دعویٰ کرنا اور خود غیر جمہوری طرز عمل کی کوکھ سے جنم لینا دو متضاد باتیں ہیں۔ عوام کی رائے معلوم کئے بغیر سیاسی مصلحتوں کی بناء پر مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو ایک یونٹ میں ضم کر دیا گیا لیکن اس غیر جمہوری انضمام کے باوجود مقامی یونٹوں و کشنریوں یا ضلعوں کو فردوری اختیارات تفویض نہیں کئے گئے۔ علاوہ ازیں مملکت تو ذاتی تھی لیکن وفاقیت کے اصولوں کے برعکس ایک ایوانی مقننہ رکھی گئی۔ ملک میں پارلیمانی نظام کے باوجود سربراہ مملکت اور سربراہ حکومت کے اختیارات کی تفویض نہ ہونے کے باعث سربراہ مملکت انتظامی اور قانون سازی کے معاملات میں برابر مداخلت کرتا رہا۔ یہ بات جمہوری تقاضوں کے بالکل برعکس تھی۔

دستور کی رو سے مملکت کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" تھا اور اس میں پاکستان کے مسلمانوں کی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے، مسلم اور غیر مسلم ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ لیکن دوسرے مسلم ممالک مثلاً ایران اور سعودی عرب کے دساتیر کی طرح اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار نہیں دیا گیا۔ دستور کے تحت ملک کے سربراہ (صدر) کے لئے مسلمان ہونا لازمی تھا لیکن سربراہ حکومت (وزیراعظم) کے لئے اس قسم کی کوئی شرط نہیں تھی۔ بالفاظ دیگر اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سربراہ حکومت غیر مسلم بھی ہو سکتا تھا۔ البتہ دستور کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں کہیں بھی مسلم اور غیر مسلم رعایا میں فرق روا نہیں رکھا گیا تھا۔ اور یہ نظریہ پاکستان اور قائد اعظم کے ان وعدوں

کے عین مطابق تھا جو آپ وقتاً فوقتاً غیر مسلم رعایا سے کرتے رہے تھے۔

دستور میں ایک مسلم معاشرہ کے صحیح خطوط پر ارتقاء کے لئے اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل اور تحقیقی ادارے کے بانیوں میں بھی مواد موجود تھا۔ یہ بھی شوق رکھی گئی تھی کہ کوئی قانون اسلام کے منافی نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ موجودہ قوانین کو اسلامی احکامات کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ ایک سال کے اندر ایک کمیشن قائم کر دیا جائے گا جس کے ذمہ یہی فریضہ ہوگا۔ لیکن ڈھائی سال کا عرصہ گزر جائے گا اور اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔

۱۹۵۶ء کا دستور جیسا بھی تھا لیکن اگر صحیح معنوں میں اسے چلنے دیا جاتا اور عوام کے براہ راست منتخب نمائندوں (جن کا انتخاب بہت جلد ہونا تھا) کے ذریعے اس میں ان نکات کے مطابق ترمیم کی جاتی جن کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اور اسے مزید جمہوری اور اسلامی بنایا جاتا تو نظریہ پاکستان کو مزید تقویت ملتی۔ فرقہ واریت اور تعصبات کو مزید پھیلنے کا موقع نہ ملتا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان کا اسلامی جمہوریہ بنا حقیقت کا اظہار نہیں تھا بلکہ یہ اس منصفہ کا ایک اظہار تھا جسے ابھی حاصل کرنا تھا لیکن بد قسمتی سے صوبائی تعصبات اور خود غرضی نے ہمارے کچھ لیڈر حضرات کی آنکھیں اس طرح بند کیں کہ انہیں احساس تک نہیں ہو سکا کہ ان کے اقوال و افعال صراحتاً نظریہ پاکستان کے منافی ہیں اور یہ کہ اس سے پاکستان مضبوط نہیں بلکہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ ایوان میں اقتدار کی خاطر نشستیں بدلنا، صدر کا وزیر اعظم کے فرائض منصبی میں بے جا مداخلت، کرسی کی خاطر اصولوں کو قربان کرنا، تعمیری کاموں پر دھیان دینے کی بجائے عوام کے جذبات سے کھینچنا اور ان کو اصل حالات سے بے خبر رکھنا، رائے عامہ کو نظر انداز کر کے من مانی کارروائیاں کرنا پاکستانی سیاست کا ایک نشیون سا بن گیا تھا یہ سب کچھ ہوتا رہا اور عوام تماشائی بن کر سب کچھ دیکھتے اور سہتے رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے نظریے کے برعکس سیاست پبلک پیٹیٹ فارم سے منتقل ہو کر محلات میں چلی گئی تھی۔ اور بے چارے عوام محلاتی سازشوں کا شکار ہوتے رہے۔ انہی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک پر مارشل لا کی لعنت مسلط کر دی گئی۔ ۱۹۵۶ء کا دستور منسوخ کر دیا گیا۔ اس طرح برائے نام جمہوری عمل بھی رک گیا اور قوم ایک بار پھر دستوری بحران کا شکار ہو گئی۔

۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء سے ۷ جون ۱۹۶۲ء تک مارشل لا کے سیاہ بادل چھانے رہے اور

جب وہ بادل چھٹ گئے تو قوم پر ایک انوکھے تجربے کے تحت فرد واحد کا آئین مسلط کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت عوام کو جو آئینی مراعات دی گئی تھیں وہ بھی واپس لے لی گئیں۔ پارلیمانی نظام کی جگہ صدارتی نظام رائج کر دیا گیا۔ شروع میں آئین کے تحت ملک کے گزشتہ سرکاری نام سے ”اسلامی“ کا لفظ حذف کر دیا گیا تھا اور بنیادی حقوق کا بل بھی دستور میں نہیں تھا لیکن بعد میں ایک ترمیم کے ذریعہ اس کی تلافی کر دی گئی۔ الغرض اس آئین کی بنیاد اس مفروضہ پر رکھی گئی تھی کہ پاکستان کے عوام سیاسی سوجھ بوجھ سے عاری ہیں۔ لہذا انہیں ملکی سیاست میں براہ راست شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام سے متعلق شقیں تقریباً وہی تھیں جو ۱۹۵۶ء کے آئین میں تھیں۔ اس سلسلے میں کوئی قدم آگے نہیں اٹھایا گیا تھا۔ یہ آئین طاقت کے بل بوتے پر تقریباً سات سال تک نافذ رہا لیکن جب عوام ایک عوامی تحریک کے ذریعے بیدار ہو کر کھلی کوچوں میں نکل پڑے اور اس طاقت کا مقابلہ کیا تو دستور کے خالق ہی نے اقتدار فوج کے حوالہ کیا اور ایک دفعہ پھر آئین منسوخ کر دیا گیا۔ ۲۵ مارچ ۱۹۷۹ء کو قوم ایک بار پھر بے آئین ہو کر رہ گئی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں اس ملک میں دستوری تعطل اور ناپائیداری رہی جسے حاصل ہی اس مقصد کے لئے کیا گیا تھا کہ بیسویں صدی میں دنیا کو دکھایا جاسکے کہ اسلام ایک جامد مذہب نہیں بلکہ ایک متحرک نظام حیات ہے اور اس جدید سائنسی دور میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ پاکستان کی گزشتہ آئینی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ گزشتہ برسوں میں نظریہ پاکستان کے تحفظ اور استحکام کی زبانی باتیں تو ہوتی رہیں لیکن انہیں عملی جامہ پہنانے کی ٹھوس اور مثبت کوشش نہیں کی گئی۔ نظریہ پاکستان کو صحیح تاریخی پس منظر میں پیش نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کی بے پناہ اور عظیم قربانیوں کے باوجود ایک خاص طبقہ ملک کی فوجانہ نسل کو گمراہ کر گیا۔ اگر نظریہ پاکستان کے مطابق اس ملک کا سیاسی ڈھانچہ بننے دیا جاتا، جمہوری اداروں اور اقتدار کو پنپنے کا موقع دیا جاتا، عوام کو اعتماد میں لیا جاتا، نئی نسل کے سامنے نظریہ پاکستان صحیح طریقہ سے پیش کر دیا جاتا، خلوص دل سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں صحیح خطوط پر ایک صحت مند اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے کوششیں کی جائیں تو قوم ذہنی الجھاؤ کا شکار نہ ہوتی بلکہ انہیں اس قدر نہ بڑھتیں کہ دشمن قوتوں کو ہمارے جسم کا ایک حصہ کاٹنے کی جرات ہوتی۔

دوسرے مارشل لا کے دوران چونکہ ایران اقتدار عوامی طاقت کا زور دیکھ چکا تھا لہذا چار دن پانچ دسمبر ۱۹۷۰ء میں پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بائیں رائے کی بنیاد پر عام انتخابات منعقد ہوئے۔ مشرقی بازو میں چھ لگاتی پروگرام پر عوامی لیگ بھاری اکثریت سے انتخاب جیت گئی جب کہ مغربی بازو میں پیپلز پارٹی اس نعرہ پر انتخابات جیت گئی۔

”اسلام ہمارا مذہب، جمہوریت ہماری سیاست اور سوشلزم ہماری

معیشت ہے۔“

دو دنوں پارٹیوں کے لائحہ عمل میں اختلاف اور دستور سازی کے متعلق مختلف نقطہ نظر کی وجہ سے اور مفاد پرست عناصر کے منفی کردار کی وجہ سے اب قوم کو ایک نئے بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ عوامی لیگ عدوی اکثریت کی بنا پر چھ لگاتی پروگرام پر مبنی اپنی مرضی کا دستور نافذ کرنے پر مصر تھی جب کہ مغربی پاکستان کے لوگوں اور ان کی واحد اکثریتی نمائندہ پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی کو چھ لگاتی پروگرام سے اختلاف تھا۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء سے ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء تک جو کچھ ہوتا رہا، وہ ایک لمبی داستان ہے بشکلہ دیش قائم ہوا۔ یہاں کی حکومت بدلی اور اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپا گیا۔ حالات کی تیزی اور بشکلہ دیش بننے میں کس کو قصور وار ٹھہرایا جائے؟ یہ بھی ایک الگ مسئلہ ہے اس پر اس وقت کچھ کہنا مناسب ہو گا جب عدالتی کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر آجائے۔

مہر حال بشکلہ دیش کے قیام کے بعد حالات یکسر بدل گئے۔ دستور ساز اسمبلی کے ممبران نے جو اب نئے پاکستان سے تعلق رکھتے تھے، دستور سازی کا کام شروع کیا۔ اکثریتی پارٹی اس پوزیشن میں تھی کہ اپنی مرضی کا دستور اسمبلی سے پاس کروائے لیکن چونکہ یہ قومی معاملہ تھا سیاسی نہیں لہذا اس میں اختلاف کی گنجائش نہ رکھتے ہوئے حکومتی پارٹی نے حزب اختلاف کو بھی اعتماد میں لے لیا۔ نظریہ پاکستان کے تقاضوں اور گزشتہ تاریخ کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک متفقہ فارمولہ بنا کر قوم کو نیا آئین نئے پاکستان کے لئے دیا گیا۔ یہ آئین اب ۱۲ اگست ۱۹۷۳ء سے نافذ العمل ہے۔ آئیے گزشتہ دس تیرے اس کا موازنہ کر کے دیکھیں کہ نئے آئین میں ہم کس حد تک آگے بڑھے ہیں۔

۱۹۷۳ء کا آئین عوامی امنگوں اور خواہشات کے مطابق پارلیمانی نظام پر مبنی ہے پچھلے دو آئینوں کے برعکس نئے آئین کے تحت پاکستان کا دفاق دو ایوانوں یعنی قومی اسمبلی اور سینیٹ پر

مشمول ہے۔ قومی اسمبلی بااختیار ادارہ ہے جس میں چاروں صوبوں کی نمائندگی آبادی کے تناسب سے ہے جب کہ سینیٹ میں نمائندگی مساوی نیابت کے اصول کے تحت ہے۔ بنیادی حقوق کے بل میں گزشتہ آئینوں کے مقابلہ میں زیادہ آزادیوں کی ضمانت دی گئی ہے۔ صوبائی خود مختاری کے حُدود کی تعیین نظر یہ پاکستان کی روشنی میں بڑی خوش اسلوبی سے کی گئی ہے۔ دستور میں استحصال کے خاتمے کی ضمانت اس اصول کے تحت دیا گئی ہے کہ "ہر ایک سے اس کی استعداد کے مطابق کام لیا جائے اور ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق حق دیا جائے" سیاسی عدم استحکام اور پھلے تلخ تجربہ کے پیش نظر آئین کی حفاظت کی نوٹ ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ مملکت کے سربراہ کی بے جا مداخلت جیسا کہ ۱۹۵۶ء کے آئین نے پیدا کیا تھا، کو روکنے کے لئے ذریعہ عظیم کا چناؤ اور برطرفی قومی اسمبلی کی صوابدید پر رکھا گیا ہے۔ انتظامی اختیارات عوامی نمائندوں یعنی وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کو دیئے گئے ہیں جنہیں اسمبلی کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا ہے۔ جمہوری اداروں کے فروغ کے لئے بہتر انتظامات کر دیئے گئے ہیں۔ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کرنے کی ضمانت بھی فراہم کر دی گئی ہے۔ مختصر اودہ تمام باتیں اس دستور میں موجود ہیں جو جمہوریت اور جمہوری اقدار کی نشوونما کے لئے لازمی ہیں۔

جہاں تک اسلامی شقوق یا منافع کا تعلق ہے، پہلے کے مقابلہ میں زیادہ اقدامات کئے گئے ہیں۔ پاکستان کی دستور سازی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلام کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ یہ عوام کے جذبات اور احساسات کی مکمل ترجمانی ہے۔ نہ صرف صدر مملکت بلکہ وزیر اعظم کے لئے بھی مسلمان ہونا شرط ہے۔ مسلمان کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت پر یقین اور حتمی نبوت پر عقیدہ رکھے گا۔ ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ ختم نبوت پر عقیدہ نہ رکھنے والوں کو اولیت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک صحت مند اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کی ضمانت دی گئی ہے۔ نظر یہ پاکستان کی روح اور علامہ اقبال اور قائد اعظم کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے دستور میں یہ ضمانت بھی موجود ہے کہ مسلم اتحاد اور عالم اسلامی کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم کئے جائیں۔ اس کا عملی مظاہرہ ہم لاہور کی فروری ۱۹۷۴ء کی اسلامی سربراہی کانفرنس کی صورت میں دیکھ چکے ہیں۔ اور ہماری خارجہ پالیسی



میں مسلم ممالک کو جو اہمیت دی گئی ہے اس سے بھی یہ بات روز بروز روشن کی طرح عیاں ہے۔  
 نئے آئین میں یہ بات بہ صراحت موجود ہے کہ پاکستان میں کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا  
 جائے گا جو قرآن اور سنت کے اصولوں کے منافی ہو اور یہ کہ تمام موجودہ قوانین کا جائزہ اس غرض  
 سے لیا جائے گا کہ اگر ان میں کوئی ایسی بات ہو جو قرآن یا سنت نبوی کے منافی ہو تو اسے دور کیا  
 جائے۔ ربا، زنا، ہونے اور شراب نوشی کے تدارک کے انتظامات کئے جائیں گے۔ ان جسد  
 مقاصد کے حصول کے لئے اسلامی مشادتی کونسل قائم کر دی گئی ہے۔ چونکہ صرف حکومت کو  
 قانون سازی کے باسے میں مشورے دے گی بلکہ دستور میں درج اسلام سے متعلق شقوں کو عملی جامہ  
 پہنانے کے لئے کام کرے گی۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اگر حکومت کے علاوہ  
 اسمبلی کے کسی بھی پارٹی سے تعلق رکھنے والے ممبران جن کی تعداد اسمبلی کے کل ارکان کی ۱/۵ ہو، قرارداد  
 پاس کریں کہ کوئی قانونی مسودہ جو اسمبلی کے زیر غور ہے، اسلامی کونسل کو رائے کے لئے بھیجا جائے  
 تو ایسا کیا جائے گا۔

ان نکات کے پیش نظر جن کا اوپر مختصر احوالہ دیا گیا، اگر یہ کہا جائے کہ قوم نظریہ پاکستان کے  
 تقاضوں اور بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح کی تئناؤں اور خواہشات کے عین مطابق ایک اسلامی  
 اور جمہوری آئین حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی ہے، تو سبجا ہوگا۔ یہ درست ہے کہ سائنس کے  
 اس دور میں جب کہ معاشرتی انداز تیزی سے بدل رہی ہیں، ہمارے خیالات اور افکار میں بھی  
 تبدیلیاں ہوتی رہیں گی، لیکن نیا آئین جامد نہیں۔ اس میں آئی لچک رکھی گئی ہے کہ اسے آسانی  
 کے ساتھ حالات سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔

ہم نے ایک مدت طویل ضائع کی، لیکن قوموں کی تشکیل میں یہ عرصہ کچھ بھی نہیں۔ بلاخران تلخ  
 تجربات نے ہی تو ہمیں ایک قابل عمل اور متفقہ آئین دلایا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے  
 نظریہ کو مضبوط کر دیں۔ جمہوری اداروں کے فروغ اور اسلامی اقدار کی ترویج کے ساتھ ساتھ تعلیمی  
 اداروں میں ذہنی انقلاب لائیں۔ نئے ذہن کی اس طرح نشوونما کریں کہ وہ اسلام اور پاکستان کو لازم و  
 ملزوم سمجھے۔ انقلاب کے لئے امن کی ضرورت ہے اور امن اس وقت پیدا ہوگا جب ہماری نوجوان  
 نسل صحیح طریقے سے نظریہ پاکستان سے آگاہ ہوگی۔ حال ہی میں حکومت نے جو تعلیمی اقدامات

کئے ہیں اور جو اصلاحات نافذ کی ہیں ان کا دائرہ کار مذہبی درس گاہوں تک پھیلا یا جائے تاکہ معاشرے میں دو مختلف طبقات نہ رہیں اور ذہنی انشاد سے نجات ملے مغربیت اور ولولیت کی کش مکش اب ختم ہونی چاہیے۔  
اب ہماری تمام تر توجہ ملکی بقا، سالمیت اور ترقی کی طرف ہونی چاہیے۔



## حوالہ جات

- ۱- رئیس احمد حفیظی: خطبات قائد اعظم (لاہور - ۱۹۶۱ء) ص ۶۳۳ -
- ۲- " " " " ایضاً " " " " ص ۶۵۳ -
- ۳- رشید الزمان، پاکستان - اے سٹیڈی آف گورنمنٹ اینڈ پالیٹکس (ڈھاکہ - ۱۹۶۷ء) ص ۸۴ -
- ۴- جی۔ ڈبلیو چودھری، پاکستان میں آئینی ارتقار (انگریزی) لاہور۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء - ص ۴۴ -
- ۵- قائد اعظم محمد علی جناح، تقاریر بحیثیت گورنر جنرل پاکستان (انگریزی) ۸ - ۱۹۴۷ء - ص ۶۷ -
- ۶- جی۔ ڈبلیو چودھری - محولہ بالا - ص ۴۶ -

.....

**تصحیح**  
جون کے فکر و نظر میں پروفیسر محمد یوسف گوریہ کے مضمون "مزارعت اور ربا" کے صفحہ ۳۲ پر ذیلی عنوان "سرمایہ دارانہ ذہنیت کا استنبصال" کے تحت تیسری سطح میں کتاب اور پردف کی لفظی بڑا سی غلطی نے بہت بڑا معنوی سقم پیدا کر دیا ہے۔ ادارہ "فکر و نظر" اس غلطی کے لئے ناضل مضمون نگار اور قارئین کرام دونوں سے معذرت خواہ ہے۔

"جب زائد از ضرورت کمائی پر انسان کو تعریف کا حق حاصل ہوگا۔" کی جگہ  
"جب زائد از ضرورت کمائی پر انسان کو تعریف کا حق حاصل نہیں ہوگا۔" درست ہے۔